© rasailojaraid.com

سیرت و اخلاق

حافظ محمد سعد اللہ (نائب مدیر)

انسان جسے اللہ کریم نے " احسن تقویم " کی صورت میں پیدا فرما کر اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے پھر اس کے سر پہ " ولقد کرمنا بنی آدم " کا تاج رکھ کر اسے " خلیفۃ اللہ فی الارض " کے عظیم اور عالی مرتبت منصب پہ فائز کیا ہے، درصل اس کی شکل وصورت رنگ روپ اور قد کاٹھ کا نام نہیں بلکہ اس کے ایمان اعمال صالحہ قلب وباطن کی صفائی افکار وخیالات کی پاکیزگی دوسرے لفظوں میں حسن سیرت و کردار اور اخلاق عالیہ کا نام ہے۔ ظاہری شکل وشباہت چہرے کی بناوٹ، اعضاء وجوارح کی ساخت کے لحاظ سے تو سارے بنی آدم ایک جیسے ہیں مگر یہی سیرت واخلاق کی عمدگی ایک آدمی کو اعلیٰ علیین میں اور دوسرے آدمی کو اس کی بدباطنی اور بداخلاقی کیوجہ سے اسفل السافلین میں پہنچا دیتی ہے۔ اسی سیرت واخلاق میں فرق کیوجہ سے دو آدمیوں میں زمین وآسمان کا فرق پڑ جاتا ہے

گر بصورت آدمی انساں بودے
احمد و ابوجہل ہم یکساں بودے

(اگر آدمی کی صورت کا نام انسان ہوتا تو احمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء اور ابوجہل بھی برابر تھے)

معروف صوفی خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات " نافع السالکین "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ہے کہ حضرت شاہ فخر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "آدمی شدن بسیار مشکل است" (آدمی بننا بہت مشکل ہے)۔ ایک مرتبہ خواجہ فخر جہاںؒ فرمانے لگے "آدمی کم موجود شوند کہ اکثر صورت آدمی دارند و خصال آدمی ندارند۔ آدمیت عبارت از خوب خصال و حمیدہ افعال است"

(اس دور میں آدمی کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اکثر لوگ صورت تو آدمی کی رکھتے ہیں مگر آدمی کی خصلتیں نہیں رکھتے۔ آدمیت دراصل اچھی عادات اور قابل تعریف افعال کا نام ہے)

اس فانی دنیا میں کون رہا ہے اور کون رہے گا؟ اس دنیا میں بڑے بڑے لوگ آئے ایک وقت میں ان کا طوطی بولتا تھا چہار وانگ عالم ان کی شہرت کا ڈنکا بجتا تھا مگر آج بقول شاعر صورت حال یہ ہے کہ

ملے خاک میں اہل شاں کیسے کیسے — مکیں ہو گئے بے مکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے — زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا — مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

یہ دنیا ایک سرائے عام اور مہمان خانہ ہے۔ ہر آدمی کچھ دنوں کے لیے یہاں آتا ہے اور کچھ مدت رہ کر پھر رخت سفر باندھ لیتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مسافر آجاتا ہے وہ بھی چند دن گزار کر اپنی اصل منزل کو روانہ ہو جاتا ہے۔ باوا آدم سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک اسی طرح چلتا رہے گا۔

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے — کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا جہاں پہ شام و سحر — کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

اسی لیے کہا گیا ہے اور بجا کہا گیا ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے (خواجہ مجذوب)

دنیا میں بہت سی حقیقتیں ہیں جن کے جھٹلانے والے یہاں موجود ہیں مگر موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا مشرق و مغرب میں کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا تاہم یہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک حقیقت اور عام مشاہدہ ہے اور انسانی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ کچھ خوش نصیب اور سعادت مند لوگ اپنی حسنِ سیرت اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کارکردگی کے ایسے لازوال نقوش اور انمٹ یادگاریں چھوڑ جاتے ہیں کہ خود تو منوں مٹی کے نیچے چلے جاتے ہیں مگر اپنے کام اور حسنِ سیرت و اخلاق کیوجہ سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ پنجابی کے ایک صوفی شاعر سید وارث شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

وارث شاہ او سدا ہی جیوندے نیں
جنہاں کیتیاں نیک کمائیاں نیں

میرے ممدوح استاذی المکرم حضرت مولانا سید محمد متین ہاشمی نور اللہ مرقدہ بھی انہی نیک بخت لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی محنت محبت اور اخلاق حسنہ کی بہت سی یادیں اس دنیا میں چھوڑی ہیں۔ پیغمبروں کی عالی مرتبت شخصیات کے علاوہ کوئی آدمی معصوم نہیں ہوتا۔ اس کے اندر بشری کمزوریاں اور خامیاں ہو سکتی ہیں۔ غلطی کا ہو جانا اس سے ممکن ہے تاہم کسی بھی آدمی کے متعلق سنی سنائی باتوں اور اس کے ظاہر حالات کی بنیاد پر اور اس سے دور و بیگانہ رہتے ہوئے محض ظن و تخمین سے کوئی بھی رائے قائم کر لینا عموماً غلط ثابت ہوتا ہے۔ صحیح معنوں میں کسی آدمی کا پتہ اسی وقت چلتا ہے اور اس کی اصلیت و حقیقت اسی وقت کھل کر سامنے آتی ہے جب کچھ عرصہ تک اس کے ساتھ "واہ" پڑے یا "راہ" پڑے۔ راقم الحروف مولانا مرحوم و مغفور کے اخلاق و کردار کے بارے میں جو کچھ عرض کرنے لگا ہے وہ اسی طویل عرصہ تک "واہ پیاں اور راہ پیاں" کی عملی بنیاد پر ہے۔ ۷۳-۱۹۷۲ء میں راقم نے جامعہ محمدی شریف، ضلع جھنگ میں مولانا ہاشمی مرحوم سے مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی۔ کچھ تحریر تقریر اور مضمون نویسی کی بھی مشق کی تھی۔ کئی پر زور تقریریں اور مؤثر خطاب بھی سنے۔ اس عرصے میں جناب ہاشمی صاحب کی علمیت فقہی بصیرت، قرآن و سنت کے گہرے مطالعہ تقریر و تحریر میں ید طولیٰ، میدان خطابت کی شہسواری سیرت و تاریخ کے سمندر کی غواصی حالات حاضرہ اور گرد و پیش کی واقفیت، فکر و نظر کی بلند پروازی علوم قدیمہ اور جدیدہ میں گہری نظر دور اندیشی اور خداداد انتظامی صلاحیتوں کا صرف بندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی نہیں بلکہ تمام طلبہ اور جملہ اساتذہ قائل ہو چکے تھے ، بالخصوص طلبہ کے لیے قبلہ ہاشمی صاحب جو خلوص درد اور تڑپ رکھتے تھے ، ان کی تعلیم و تربیت میں دن رات جس طرح بے لوث محنت کرتے تھے ، ان کی زیادہ سے زیادہ علمی ترقی کے جس طرح خواہاں تھے ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جگانے میں جس طرح کوشاں رہتے تھے اور سب سے بڑھ کر باپ کی طرح ان پر جس طرح شفقت و پیار فرماتے تھے اور جس طرح ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے ان چیزوں نے طلبہ کو ہاشمی صاحب کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ وہ ہر طالب علم کے دل کا سرور اور اس کی آنکھوں کا تارا تھے اور ایسا ہونا فطری تھا کیونکہ یہ فطری بات ہے کہ "الانسان عبد الاحسان" کے مصداق انسان احسان کا غلام ہوتا ہے جناب ہاشمی صاحب نے مذکورہ ادارے میں قیام کے دوران طلبہ پر بہت سے علمی و فکری احسان کیے۔ مادی و دنیوی احسانات ادارہ کی انتظامیہ سے کرائے ، طلبہ کو اسباق اور درسی و نصابی کتب کی تدریس کے علاوہ تحریر و تقریر کا ڈھنگ سکھایا۔ مذاکروں اور مشاعروں کے گر سکھائے ، تقریر کے میدان میں طلبہ کو اتنا آگے لے گئے کہ شہروں سے دور دیہات میں قائم ایک دینی ادارے کے طلبہ نے بہاولپور یونیورسٹی تک تقریری مقابلوں میں حصہ لیا اور بحمد اللہ اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا کر آئے۔ یہ سب قبلہ ہاشمی صاحب کی محنت اور رہنمائی کا نتیجہ تھا ورنہ ایک دینی مدرسے کے طلبہ کہاں اور یونیورسٹی کے تیز و طرار طلبہ کہاں! ایک کام طلبہ پر احسان جامعہ محمدی میں قیام کے دوران قبلہ ہاشمی صاحب نے یہ بھی کیا تھا کہ عام دینی مدارس اور جامعات کے ماحول میں عموماً جو روایتی گھٹن ، جکڑن اور بندش ہوتی ہے افکار و نظریات اور ما فی الضمیر کے اظہار پر جو ناروا پابندیاں ہوتی ہیں جو بعض اوقات عزت نفس تک کو مجروح کرتی ہیں۔ عام طور پر دینی طلبہ احساس کمتری و کہتری میں مبتلا ہوتے ہیں ہاشمی صاحب نے ان باطنی بیماریوں روحانی روگوں اور مستقبل میں ترقی کے رستوں میں مخفی رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے طلبہ کو آزادانہ ماحول مہیا فرمایا۔ اس آزادی کا مطلب مادر پدر آزادی نہیں اخلاق سے آزادی نہیں کالجز کے طلبہ کی طرح اساتذہ کے ساتھ گستاخی و بے ادبی کی آزادی نہیں بلکہ ما فی الضمیر کے اظہار کی آزادی تھی۔ ہاشمی صاحب نے طلبہ کو عزت نفس دی کالجز کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوسٹلز میں "میس" باوقار انتظام کی طرح جامعہ میں بھی میس کا باعزت اور شاندار انتظام کرایا طلبہ میں عام احساس کمتری کو ختم کیا ان میں جرأت بہادری اور بے باکی کے اوصاف پیدا کئے۔ غرض یہ وہ چیزیں تھیں جنہوں نے طلبہ کو ہاشمی صاحب کا شیدائی اور جاں نثار بنا دیا تھا۔

بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ ساتھ اندازِ بیان کا بھی خصوصی ملکہ اور زبردست قوتِ گویائی عطا فرما رکھی ہوتی ہے۔ وہ اپنے فن تقریر، شیریں بیانی، زورِ خطابت الفاظ و مترادفات کے ہیر پھیر، آواز و لہجہ کے زیر و بم، اعضاء کی نقل و حرکت، برمحل اشعار کی فٹنگ، خوش الحانی، ظاہری رکھ رکھاؤ، طور اطوار اور مؤثر تقریر و خطاب کے دیگر لوازمات کو ملحوظ رکھنے کے بل بوتے پر اپنے سامعین کو مسحور کر دیتے ہیں لوگ ان کے وعظ اور خطاب کو سن کر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ لوگ ان کے علمی خطبات اور دلنشیں تقریریں سن کر ان کی قابلیت کے معترف ہی نہیں بلکہ ان کی ذات کے عقیدت مند اور ان کی سحر بیانی کے اسیر بن جاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

وان من البیان سحرًا۔ (مشکوٰۃ۔ ص ۴۲۳۔ طبع کراچی)

(بے شک بعض بیان سراسر جادو ہوتا ہے)

مگر جب کوئی آدمی قریب سے ان کو دیکھتا ہے۔ قریب سے ان کے ذاتی اعمال اور نجی و پرائیویٹ زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور کبھی اسے معاملات اور لین دین میں ان سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ انتہائی مایوس ہوتا ہے۔ اس کے جذبات کو انتہائی ٹھیس پہنچتی ہے اس کی عقیدت و محبت کی ساری عمارت گر جاتی ہے اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ "ہاتھی کے دانت ہیں دکھانے کے اور کھانے کے اور" اصل بات یہ ہے کہ ؎

بہت مشکل ہے بچنا بادہ و گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

میں عرض کر رہا تھا کہ راقم کو طالب علمی کے زمانے میں دو اڑھائی سال تک قبلہ ہاشمی صاحب مرحوم کے پاس پڑھنے اور سیکھنے کا موقعہ ملا تاہم اس دوران کوئی زیادہ قریب رہنے کا موقعہ نہ ملا۔ اس عرصے میں انکی خداداد علمی صلاحیتوں اور بے لوث مشفقانہ رویّے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا سکہ میرے قلب و دماغ پر بیٹھ چکا تھا تاہم ابھی تک موصوف کی نجی زندگی کو دیکھنے اور ان کے ساتھ براہ راست اور بلا واسطہ برتنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں اللہ کریم نے یہ موقعہ بھی عنایت فرما دیا۔ ریسرچ سیل دیال سنگھ لائبریری لاہور، میں اللہ کریم نے ملازمت دلوا دی جس کا ظاہری سبب صرف اور صرف جناب ہاشمی صاحب مرحوم ہی بنے ورنہ پاکستان میں کسی غریب آدمی کو کون پوچھتا ہے بہرکیف اکتوبر ۱۹۸۲ء سے لے کر مرحوم کی وفات کے دن ۱۰ جنوری ۱۹۹۲ء تک مجھے ان کے قریب رہنے کا موقعہ ملا۔ ان کے اخلاق و عادات اور عام رویے کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا لین دین رہا۔ معاملات میں ان سے "واہ" پڑتا رہا۔ ان کے ساتھ ذاتی ہی نہیں خاندانی مراسم قائم ہوئے۔ ان کی پبلک اور پرائیویٹ دونوں زندگیوں کو دیکھا۔ کئی جلسوں محفلوں درسوں اور پروگراموں میں ان کے ساتھ جانے کا موقعہ ہاتھ آیا۔

یہ محض اندھی عقیدت نہیں جسکے نتیجے میں صورت حال عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ
وعین السخط تبدی المساویا

(رضامندی کی آنکھ (اپنے محبوب میں) ہر قسم کا عیب دیکھنے سے بند ہوتی ہے اور اس کے مقابلے میں ناراضگی کی آنکھ کو (اپنے مبغوض میں) برائیاں ہی برائیاں نظر آتی ہیں)

بلکہ حقیقت ہے کہ کم از کم میں نے (ممکن ہے کسی کو اعتراض ہو) ہاشمی صاحب مرحوم کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی اور ان کے ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں پایا۔ جیسا سنا تھا ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر پایا۔ کسی آدمی کے سچا ہونے کی یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس کے گھر والے، اس کے قریبی ساتھی اس کے دوست احباب اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے لوگ اس کے قول و فعل کی تصدیق کریں۔ دور رہنے والوں، دور سے دیکھنے والوں اور وقتی طور پر سامعین کو تو دھوکا دیا جا سکتا ہے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی جا سکتی ہے۔ مگر قریب رہنے والوں کو زیادہ دیر تک بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ سالوں ان کی آنکھوں میں دھول نہیں ڈالی جا سکتی آخر کوئی آدمی کب تک اور کتنی دیر تک اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرے گا؟ اسکے اندر کا اصل انسان زیادہ عرصے تک نہیں چھپا رہ سکتا۔ انسان جلد ہی اپنے اصل اور حقیقی روپ میں قریبی لوگوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق قبلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاشمی صاحب کے اندر اور باطن کا انسان بھی میرے سامنے آیا۔ اور میں نے ان کے باطن کو ظاہر سے بڑھ کر روشن پاک اور صاف پایا۔ میرے علم اور میری رائے کے مطابق مجموعی طور پر وہ تمام خوبیاں اور اوصاف و اخلاق ان کے اندر موجود تھے جو ایک مومن اور ایک عالم دین میں شرعی طور پر ہونے چاہئیں۔ ذیل میں افادہ عام کے لیے ان کی سیرت و اخلاق کے چند موٹے موٹے اور اُن نمایاں پہلوؤں کے متعلق عرض کرنے لگا ہوں جن کا میں چشم دید گواہ ہوں اور جو بہت سے آدمیوں کے لیے ہدایت، روشنی اور فائدے کا باعث بن سکتے ہیں۔ پھر اللہ کی مہربانی سے راقم یہ بھی سمجھتا اور جانتا ہے کہ شہادت کا مسئلہ شرعاً کتنا "نازک اور سنگین" ہے۔

اخلاص

اخلاص کا مطلب ہے: التبرّی عن کل ما دون اللہ [1] اللہ کی ذات کے سوا ہر ایک چیز سے بیزار اور بری ہو جانا۔ یعنی دین و دنیا کے چھوٹے بڑے تمام افعال و اقوال کا مقصود صرف اللہ کی ذات گرامی ہو آسان لفظوں میں انسان کی اپنے ہر عمل، اپنی ہر حرکت، اپنی ہر بات اور اپنی جملہ مساعی کی حقیقی غرض و غایت صرف اللہ کو خوش کرنا ہو۔ اس کام سے مقصود نہ تو دنیا کو خوش کرنا ہو۔ نہ شہرت طلبی مطلوب ہو اور نہ ہی کوئی دوسرا دنیوی مفاد مدنظر ہو۔ بفحوائے حدیث "انما الاعمال بالنیات" (تمام اعمال (کی قبولیت یا اچھے برے ہونے) کا دار و مدار نیت پر ہے) اخلاص تمام دینی و دنیوی اعمال کی جان ہے۔ اخلاص سے خالی بظاہر بڑے سے بڑے نیک عمل کی بھی اللہ کی بارگاہ میں کوئی حیثیت نہیں۔ اس پہلو سے جب میں جناب ہاشمی صاحب مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتا ہوں تو کم از کم ان کی زندگی کا وہ عرصہ جو میرے سامنے گزرا ہے اس میں میں نے دیکھا ہے کہ ہر کام سے ان کا مقصود صرف اللہ کی رضا اور اللہ کے دین کی بہتری اور برتری ہوتی تھی" الحب للہ والبغض للہ (دوستی و محبت اللہ کی خاطر اور بغض و عداوت بھی اللہ کی خاطر) ان کا ایک عام اصول تھا۔ یہ اخلاص اگرچہ "فعل القلب" ہے تاہم انسان کی حرکات و سکنات اس کے عام رویہ اور اس کی گفتگو سے بعض اوقات

---

[1] راغب اصفہانی: المفردات: ص ۱۵۵ طبع مصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا اظہار ہو ہی جاتا ہے۔ ۱۰ فروری ۱۹۸۵ء کی بات ہے۔ نماز ظہر کے بعد مجھے ہاشمی صاحب نے یاد فرمایا۔ حافظ غلام حسین صاحب (جو اس وقت قائم مقام ڈائریکٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں) اور سہ ماہی منہاج کے سابق کاتب محمود الحسن (ساکن منڈی مریدکے) بھی بیٹھے تھے۔ ان دنوں منہاج کے خصوصی شمارہ "حیثیت نسواں نمبر" کی تیاری اور پروف ریڈنگ وغیرہ ہو رہی تھی مذکورہ کاتب اداریہ لکھ کر لائے تھے۔ میں نے کتابت سے قبل اداریے کو پڑھا تھا۔ اب ہاشمی صاحب نے مجھ سے اداریے کے بارے میں رائے پوچھی۔ میں نے کہا "اس کا ابتدائی حصہ اداریہ کے آخر میں آجائے تو میرے خیال میں زیادہ مناسب ہے کیونکہ ابتدائی حصے میں حکومت وقت کی تعریف کی گئی ہے اور کوئی آدمی دیکھتے ہی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ حکومت کی خوشامد کرتے ہیں"

میری یہ بات سن کر جناب ہاشمی صاحب مرحوم حافظ غلام حسین صاحب اور کاتب صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔

"میرے اداریے پر سعد اللہ (راقم الحروف) کا خیال یہ ہے کہ اس میں حکومت کی خوشامد ہے۔ مگر یقین کیجئے میں جو کچھ لکھتا ہوں دل کے یقین کے ساتھ اور حق سمجھ کر لکھتا ہوں۔ حکومتِ وقت کی خوشامد مقصود نہیں ہوتی۔ جنرل ضیاء چونکہ اسلام کا نام لیتا ہے اس لیے ہمیں ہر اس آدمی سے پیار ہے جو اسلام کی طرف بلاتا ہے۔ دیوبندی بریلوی اہل حدیث جو بھی ہمیں اسلام اور دین کے نام پہ بلائے ہم اس کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ اگر حکومت وقت کی خوشامد ہی مقصود ہوتی تو ہم پیپلز پارٹی (ذوالفقار علی بھٹو مرحوم) کی بھی خوشامد کرتے۔ مگر اس دور حکومت کی ہماری تحریرات اور ہماری مطبوعات میں کوئی آدمی ایک لفظ ایسا نہیں دکھا سکتا جو ہم نے حکومت کی تعریف میں لکھا ہو۔ اب جو ہم لکھتے ہیں تو محض اسلام کے لیے۔ جنرل ضیاء دیندار اور مسلمان آدمی ہے عاشق رسول ہے (اس کے بعد جنرل صاحب کے عشق رسول کا ایک واقعہ بھی سنایا) اسلیے ہمیں اس سے محبت ہے ورنہ اس نے ہمیں کیا دینا ہے؟"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنرل ضیاء الحق نے جب نظام عشر نافذ کیا تو اس وقت ہاشمی صاحب مرحوم نے دو جلدوں میں منہاج کا ایک "عشر نمبر" نکالا۔ اسکے اداریے میں منہاج کے اجراء کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا:

"سہ ماہی منہاج کے اجراء کا مقصد یہ ہے کہ حکومت نفاذِ شریعت کے سلسلے میں جو اقدامات کر رہی ہے ان کی علمی سطح پر تفہیم کا انتظام کیا جائے تاکہ نفاذِ شریعت کے عمل کو تیز سے تیز تر کیا جاسکے کہ نفاذِ شریعت ہی قیام پاکستان کا مقصود اور اس کے بقائے و دوام کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ موجودہ حکومت کو شریعت اسلامیہ کے مکمل اور مؤثر نفاذ کی توفیق عطا فرمائے اور اس سلسلے میں ہم جو مخلصانہ تعاون کر رہے ہیں اسے شرفِ قبولیت بخشے آمین"

(منہاج شمارہ اپریل جولائی ۱۹۸۳ء)

مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری میں بڑھاپے اور علالت کے باوجود قبلہ ہاشمی صاحب نے جو کام کیا، جو محنت کی، خود لکھا، معروف اہل قلم سے لکھوایا۔ موجودہ حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق نئے موضوعات اور نئی تالیفات لوگوں کے سامنے لائے ان سب چیزوں کا مقصد صرف دین کی خدمت تھی۔ ورنہ وہ بھی کئی اداروں کے سربراہوں کی طرح سال میں کوئی ایک آدھ کتاب یا کوئی ایک آدھ پرچہ جسکی موجودہ عملی حالات کے ساتھ کوئی مناسبت اور ضرورت ہی نہ ہوتی، نکال کر یا مخطوطات کی فہرست تیار کر کے (جو اس ادارے کا اولین حکومتی مقصد تھا) تنخواہ کھری کرنے کے علاوہ دیگر کئی ایک مراعات حاصل کر سکتے تھے۔ مگر ایسا نہ کبھی کیا اور نہ کبھی سوچا۔ کمائی کرنا یا ذاتی مفادات اٹھانا ان کا وطیرہ ہی نہیں تھا۔ ریسرچ سیل کی ایک کتاب "اسلام میں پولیس اور احتساب کا نظام" مطبوعہ ۱۹۸۷ء کے دیباچے میں ہاشمی صاحب مرحوم نے لکھا ہے:

"واضح رہے کہ مرکز تحقیق ریسرچ سیل اپنے قیام کے اول روز سے نظام شریعت کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں جو بھی اشاعتی کام کر رہا ہے اس کا مقصد صرف صرف اتمام حجت ہے۔ تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظامِ شریعت قابلِ فہم صورت میں موجود ہی نہ تھا ورنہ ہم شریعت ضرور نافذ کر دیتے ۔"

ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ لاہور شمارہ اگست ۱۹۹۱ء میں جناب ہاشمی صاحب مرحوم کا ایک انٹرویو ہے ۔ انٹرویو کرنے والے نے جنرل ضیاء الحق کے ساتھ آپ کی ملاقاتوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

"ضیاء الحق بہت مخلص، مؤمن اور اسلام کا درد رکھنے والے انسان تھے میرے جن آدمیوں سے بھی تعلقات تھے یا ہیں صرف اسلام کے واسطے سے ہیں اسلام کا نام لے کر میرے کان پکڑ کر جہاں چاہے کوئی لے جائے شہید صدر سے بھی میرے تعلقات اسلام کے واسطہ سے تھے ۔"

مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن اسلام اور پاکستان دونوں کا دشمن تھا ۔ اس کے مقابلے میں ہاشمی صاحب اسلام اور پاکستان کے کٹر حامی ہی نہ تھے بلکہ اسلام اور پاکستان کے نام پر جان تک دینے کے لیے تیار رہتے ۔ اس لیے عوامی لیگ آپ کی سخت مخالف تھی ۔ مجیب الرحمٰن نے ایک مرتبہ آپ کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانا چاہا وزارت تک کا لالچ دیا ۔ لیکن آپ نے انکار کیا اور کہا :

"پاکستان اور اسلام کے مسئلہ پر میں کسی سودے بازی کا قائل نہیں ۔"

(ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ لاہور ۔ اگست ۱۹۹۱ء)

اسلام اور پاکستان کے ساتھ مخلصانہ والہانہ اور پرجوش محبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوامی لیگ نے آپ کے سر کی قیمت دس ہزار مقرر کر دی ۔ اس صورتِ حال میں آپ کس طرح معجزانہ طور پر مکتی باہنی، انڈین آرمی اور بنگلہ دیش پولیس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے روپوش ہونا پڑا کہاں کہاں کی خاک چھاننا پڑی ۔ ان سب رازوں کی تفصیل ان کے حالاتِ زندگی والے مضمون میں ملے گی ۔ بہر کیف جب کراچی پہنچ گئے تو مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں جامعہ محمدی شریف (ضلع جھنگ) تشریف لانے کی دعوت دی "کند ہم جنس باہم جنس پرواز" کے مصداق مولانا موصوف کے ساتھ آپ کے دیرینہ مراسم تھے ۔ مولانا محمد ذاکر دین کی خدمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بڑا جذبہ اور سچی تڑپ رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد ہی دین کی سرفرازی تھا۔ یہی مشن یہی فکر اور یہی سوچ ہی ہاشمی صاحب اور مولانا مرحوم کے درمیان مراسم کا بڑا باعث تھی۔ مولانا کی پُرخلوص دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ بمع اہل وعیال جامعہ محمدی میں تشریف لائے۔ یہ ادارہ ایک دیہات میں ہے۔ ظاہر ہے وہاں شہروں کا سا ماحول اور شہری مراعات نہیں ہو سکتی تھیں۔ مشاہرہ بھی آپ کے علم و فضل اور انتظامی و تدریسی تجربہ کے اعتبار سے بہت کم تھا مگر اس کے باوجود آپ نے انتہائی لگن، خلوص اور شوق سے وہاں علم دین کی خدمت کی۔ جس کی تھوڑی سی جھلک میں شروع میں دکھا چکا ہوں۔ بعض نامساعد حالات کی وجہ سے آپ کو وہاں سے لاہور آنا پڑا۔ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے حالات نے جامعہ محمدی سے آنے پر مجبور کر دیا ورنہ میں تو ارادہ کر کے گیا تھا کہ اپنی قبر بھی وہیں بنواؤں گا"۔

ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں میں اکثر لوگوں کی نیت (الا ما شاء اللہ) اپنی نمود و نمائش ہوتی ہے۔ ریڈیو اور ٹی وی پر آنے کے لیے لوگ بڑی بڑی سفارشیں ڈھونڈتے اور بڑے پاپڑ بیلتے ہیں۔ میری معلومات کی حد تک ہاشمی صاحب نے کبھی اس قسم کی بھونڈی کوشش نہیں کی۔ عموماً عوام کی طرف سے خواہش اور اصرار یا اوپر سے ہدایات پر ریڈیو اور ٹی وی والے ہاشمی صاحب سے رابطہ کرتے تھے۔ ریڈیو کے دینی پروگراموں "قرآن حکیم اور ہماری زندگی"، "حی علی الفلاح"، "آپ نے پوچھا ہے"، "روشنی" علاوہ ازیں خاص تہواروں اور ایام کے پروگراموں میں بھی ہاشمی صاحب اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ ان کا پروگرام "روشنی" تو انتہائی مقبول تھا۔ ان کی آواز کا اتار چڑھاؤ، لب و لہجہ اور زبان میں بلا کی تاثیر تھی۔ چونکہ بات دل سے نکل رہی ہوتی تھی اس لیے اثر کیے بغیر نہیں رہتی تھی۔ کئی لوگ "روشنی" کے انتظار میں رہتے تھے۔ بات ذرا دوسری طرف نکل گئی۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ان پروگراموں میں بھی ہاشمی صاحب کا مقصود دنیا طلبی یا شہرت طلبی نہ تھا بلکہ صرف اللہ کی رضا مقصود ہوتی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۳ جنوری ۱۹۸۶ء بروز پیر کو ہاشمی صاحب نے مجھے اپنے گھر پہ بلایا۔ ان دنوں چونکہ کچھ علیل سے تھے اس لیے دفتر نہیں تشریف لا رہے تھے۔ میں ظہر کے بعد گھر پہنچا تو فرمایا آج کچھ "روشنی" کے پروگرام کے لیے تقریریں لکھوانی ہیں۔ چنانچہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈائجسٹ "ہدی" (انڈیا سے شائع ہونے والا ایک پرچہ) اور امام غزالی کی احیاء العلوم سے چند واقعات مجھے لکھوائے۔ پھر فرمایا "اب میں ایک حدیث لکھواؤں گا اور ہر مہینے کے اپنے کوٹے میں ایک حدیث ضرور دیتا ہوں اور جانتے ہو میں ایسا کیوں کرتا ہوں؟ راقم نے عرض کیا آپ ہی بہتر جانتے ہیں فرمایا: اس لیے کہ اربعین احادیث پوری ہو جائیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "جس شخص نے میری چالیس احادیث لوگوں تک پہنچائیں اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی" (او کما قال علیہ السلام) چنانچہ اس کے بعد ایک حدیث مجھے نوٹ کروائی۔

اسی طرح ٹی۔ وی کے پروگرام "فہم القرآن" کی ریکارڈنگ کے لیے ایک دو مرتبہ بیماری اور کمزوری کے باوجود تشریف لے گئے میں نے عرض کیا اتنی تکلیف کیوں کرتے ہیں۔ پروڈیوسر سے معذرت کر دیں، وہ کسی اور صاحب سے ریکارڈنگ کرائے گا فرمانے لگے "حافظ! چونکہ قرآن کا معاملہ ہے انکار پر کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ میاں ناراض ہو جائیں اس لیے چلا جاتا ہوں۔"

ہاشمی صاحب مرحوم خطیب بھی بڑے زبردست تھے۔ جن لوگوں نے ان کی عام جلسوں کی تقریریں اور پبلک ایڈریسز سنے ہیں وہ خطابت میں ان کی سحر بیانی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ پھر سیرۃ النبی تو ان کا خاص اور پسندیدہ موضوع تھا سیرت پر تقریر کرتے ہوئے اکثر جذباتی ہو جاتے اور عموماً ان پر رقت طاری ہو جاتی۔ مورخہ ۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء بروز اتوار ریلوے سے ایک صاحب جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں دعوت دینے کے لیے آئے۔ وہ گذشتہ ہفتے ریلوے میں ہاشمی صاحب کی تقریر کے حوالے سے بتا رہے تھے کہ مزدور لوگ جن میں اکثریت سرخوں اور دھریوں کی ہے وہ بھی آپ کے خطاب سے بہت متاثر ہوئے۔ اب اگر آپ دوبارہ بارہ ربیع الاول کے روز مہربانی کریں تو ان بے دین لوگوں کو مزید دین کی طرف رغبت ہوگی۔ فرمانے لگے "مجھے اس دن مصروفیت تو بہت ہے مگر یہ بات مجبور کر رہی ہے کہ شاید میری وجہ سے انہیں کچھ راہ ہدایت نصیب ہو جائے" علاوہ ازیں بھی تقریر کے سلسلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس میں واعظ مقرر اور خطیب کا نفس بڑا موٹا ہوتا ہے۔ مگر ہمارے شیخ نے اس سلسلے میں ہماری بڑی اصلاح کر رکھی ہے۔ کسی مجمعے میں جانے سے قبل کئی دن تک اپنی نیت کو ٹھیک کرتا ہوں اس کے بعد وعظ کہتا ہوں۔ یہ بات تو کئی بار میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی کہ مجمع کے زیادہ یا کم ہونے کا عام مقررین کی طرح ہاشمی صاحب کی طبیعت پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ سامعین تھوڑے ہوں یا زیادہ آپ بھرپور انداز میں تقریر فرماتے۔ یحییٰ گیٹ کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد ہے اس میں ہفتہ وار حجۃ اللہ البالغہ کا درس بعد از نماز مغرب دیا کرتے تھے۔ مسجد میں آپ کے چند عقیدتمندہی ہوتے تھے مگر آپ کا انداز تقریر ہمیشہ بھرپور ہوتا اور باہر سے سننے والا یہی محسوس کرتا کہ مقرر کے سامنے کوئی بڑا مجمع ہے۔

الغرض دین دنیا کے کاموں میں جو کچھ میں نے محسوس کیا اور دیکھا اس میں یہی پایا گیا کہ آپ ہر کام میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کو مدنظر رکھتے تھے۔ دنیا چاہے خوش ہو یا ناراض۔

فقر و استغناء ہاشمی صاحب مرحوم آبائی لحاظ سے ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد اپنے زمانے میں نامور وکیل تھے۔ اچھی خاصی جائداد تھی۔ گھر بار تھا۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ گرمیوں میں صبح شام اور جاڑوں میں روزانہ کپڑے تبدیل فرماتے تھے مگر ہاشمی صاحب اسلام اور ملک و قوم کی خاطر سب چیزیں چھوڑ کر پہلے مشرقی پاکستان اور پھر مشرقی پاکستان جب بنگلہ دیش کا نام اختیار کر گیا تو ———— یہاں پاکستان میں آ گئے۔

یہاں پاکستان میں پہلے نہیں تو کم از کم جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں حکومت سے ان کے قریبی مراسم رہے۔ جنرل صاحب دسمبر ۱۹۸۴ء میں یہاں لائبریری میں آئے۔ ان کے ساتھ جنرل جیلانی بھی تھے۔ جنرل صاحب نے ہاشمی صاحب سے پوچھا کوئی خدمت میرے لائق ہو تو فرمائیے۔ ہاشمی صاحب نے لائبریری کے چند مسائل کے علاوہ کسی قسم کے ذاتی مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔ حالانکہ ان دنوں کرائے کے مکان میں رہتے تھے اور آج تک آپ کے بچے کرائے کے مکان میں رہ رہے ہیں۔ کسی کا نام لینا مناسب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں تاہم "بڑے بڑے" لوگوں نے جنرل صاحب سے اپنے تعلقات یا انکی حکومت کی تائید کو مختلف طریقوں سے "کیش" کیا مگر ہاشمی صاحب نے زندگی بھر کبھی کوئی پلاٹ کوئی کوٹھی کوئی بنگلہ یا کوئی اور ذاتی مفاد حاصل نہ کیا۔ چاہتے تو کیا کچھ نہیں بنا سکتے تھے؟ یہاں لائبریری میں ہاشمی صاحب جس منصب پر فائز تھے اگر کمانا چاہتے تو "اپنے کمیشن" کی شکل میں بہت کچھ کما سکتے تھے مگر ہم نے یہاں دیکھا کہ ذاتی خط و کتابت کے لیے کاغذ بھی اکثر ذاتی ہی ہوتا تھا۔ ریڈیو ٹی وی میں ریکارڈنگ کے لیے جو تقریر لکھواتے وہ عموماً ذاتی کاغذوں پر۔ تنگی ترشی میں اور کرائے کے مکانوں میں زندگی گزار لی مگر اپنی امانت و دیانت اور اپنے علم دین پر کبھی حرف نہیں آنے دیا۔ ایک مرتبہ بھٹو دور کا واقعہ سنایا کہ

"میں ہاسپٹل میں بیمار پڑا تھا۔ پیسے کی بھی کمی تھی۔ انہی دنوں میں ہمارے بڑے لڑکے سراج منیر سے کہا گیا کہ تم پیپلز پارٹی پر پمفلٹس لکھو۔ فی پمفلٹ آپ کو دو ہزار روپیہ ملے گا۔ سراج منیر نے مجھ سے مشورہ کیا۔ میں نے کہا بیٹا! یہ مشکل دن گزر جائیں گے بیماری بھی چلی جائے گی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ جسطرح عورت کی عصمت ہوتی ہے اسطرح قلم کی بھی ایک "عصمت" ہوتی ہے لہذا چند روپلوں اور ٹکوں کی خاطر اپنے قلم کو داغدار نہ کرو" چنانچہ سراج منیر مرحوم نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۹۹۰ء سراج منیر صاحب کے اچانک انتقال کے بعد مرحوم کے بچوں کے لیے بہت سے لوگوں نے مخلصانہ پیشکشیں کیں مگر ہاشمی صاحب نے بڑھاپے علالت اور ضرورت کے باوجود شکریے کے ساتھ سب کی پیشکشوں کو ٹھکرا دیا۔ غالباً سادات خاندان سے تعلق ہونے کی بنا پر خمیر میں یہ بات تھی کہ کبھی جوڑ جوڑ کر نہ رکھتے تھے کسی سے لینے کی بجائے ہمیشہ دینے کو پسند فرماتے تھے۔ "الید العلیا خیر من الید السفلی" کے اصول پر عموماً کاربند رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بچوں کے لیے زندگی بھر میں مکان نہ بنا سکے۔ میرے خیال میں دنیا کی حرص طمع اور لالچ جیسی مذموم صفات تو نزدیک سے بھی نہیں گزری تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تواضع وانکساری

جس طرح دنیا اور روپے پیسے کا ایک نشہ ہوتا ہے اسی طرح علم کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے۔ پھر علم کے ساتھ اگر کوئی آدمی میدان خطابت کا واقف کار ہی نہیں بلکہ شہسوار بھی ہو تو یہ نشہ دوچند ہو جاتا ہے۔ اس نشے میں بہت سے لوگوں (الا ما شاء اللہ) کے اندر بڑائی فخر و غرور خودستائشی خودنمائی اور "ہمچو ما دیگرے نیست" جیسے رذائل اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو "عقلِ کُل" سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اسی قسم کی سوچ سے اختلافات تعصبات اور فرقہ وارانہ جذبات جنم لیتے ہیں۔ مگر جس آدمی کا علم اس کی زبان اور حلق سے نیچے دل میں اتر جائے اس کی کیفیت کچھ دوسری ہی ہوتی ہے۔

یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ جس ٹہنی پر پھل لگا ہوا ہو وہ ہمیشہ جھکی ہوئی ہوتی ہے۔ قبلہ ہاشمی صاحب مرحوم نامور عالم، پائے کے محقق اور شعلہ بیان مقرر تھے مگر اس کے باوجود انتہائی متواضع ملنسار اور منکسر المزاج تھے۔ زیادہ تکلفات اور القابات کو قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے۔ خود فرماتے تھے "جامعہ محمدی میں قیام کے دوران جامعہ کے ناظم عمومی نے ایک مرتبہ میرے نام کے ساتھ "علامہ" کا لفظ لکھوا دیا۔ میں ناظم صاحب کے پاس گیا اور کہا حضرت! میرے نام کے ساتھ علامہ کا لفظ نہ لکھوائیے۔ چنانچہ ناظم صاحب نے یہ لفظ کٹوا دیا۔"

یہاں لاہور میں اخبارات، رسائل، پمفلٹس اور خصوصاً اشتہارات میں بہت سے لوگوں کے نام کے ساتھ دیگر القابات کے علاوہ "علامہ" بھی لکھا ہوتا تھا۔ ان میں کئی ایک مرحوم کے شاگرد بھی ہوتے تھے۔ ہاشمی صاحب مرحوم از راہ تفنن طبع فرماتے تھے کہ "یار! یہ لوگ تو علامہ ہو گئے اور ہم "مولانا" کے "مولانا" ہی رہ گئے۔"

لفظِ مولانا کے حوالے سے ایک بات اور بھی عرض کرتا چلوں۔ وہ یہ کہ بدقسمتی سے عام جہالت، مغربی ذہنیت اور کچھ صرف نام کے مولویوں کے کردار کی وجہ سے سارے علماء اور سچ مچ کے مولویوں کو بھی ہمارے معاشرے میں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس لیے بعض علماء اس ناقدری سے بچنے کیلئے اپنے نام کے ساتھ مولانا یا مولوی کا لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھوانا یا اپنے آپ کو مولانا کہلوانا پسند نہیں کرتے ۔ مگر ہاشمی صاحب مرحوم "مولانا" اپنے نام کے ساتھ لکھواتے تھے ۔ ایک مرتبہ ہم نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے "میں محض علماء اور مولویوں کے گروہ میں شامل رہنے اور اس جماعت میں شمار کئے جانے کے لیے ایسا کرتا ہوں ۔"

ہاشمی صاحب خود بھی ادارہ ہذا کے ڈائریکٹر تھے ادھر آپ کے بڑے بیٹے سراج منیر صاحب بھی ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور کے ڈائریکٹر ہو گئے تو مال کے اعتبار سے اور جاہ کے اعتبار سے بھی اللہ کریم نے اچھے دن دکھائے ۔ دفتر میں اور گھر میں باپ بیٹا کے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا مگر ان زائرین عقیدتمندوں اور چاہنے والوں کو دیکھ کر کبھی دماغ میں فطور نہ آیا ۔ یہ ۹ جنوری ۱۹۸۵ء کی بات ہے ۔ راقم ظہر کے بعد دفتر میں ہاشمی صاحب کے پاس بیٹھا تھا ۔ ہمارے ایک ساتھی حافظ احمد یار صاحب بھی موجود تھے ۔ ہاشمی صاحب فرمانے لگے ۔

"سراج منیر کو آج ادارے کی طرف سے سرکاری گاڑی مل جائے گی ۔ میں نے اسے سمجھایا ہے کہ گھر سے وضو کر کے جاؤ اور گاڑی کی چابی لیکر جب واپس آؤ تو سب سے پہلے جو مسجد پڑے اس میں چار رکعت نوافل بطور شکرانہ پڑھو اور اپنے اس وقت کو یاد کرو جب تمہیں روزانہ کالج جاتے ہوئے گھر سے صرف بارہ آنے ملا کرتے تھے ۔ آٹھ آنے، آنے جانے کا کرایہ ہوتا تھا اور باقی چار آنے کے نان چھولے کھاتے تھے ۔ اور وہ وقت بھی یاد رکھو جب تم لنڈے کا کوٹ پہن کر کالج جاتے تھے اور لڑکے تمہارا مذاق اڑایا کرتے تھے ۔ یہ تمہارا نوجوانی میں اس عہدے پر فائز ہو جانا محض رب کریم کا فضل ہے ورنہ تم سے ہزاروں سینئر، عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگ موجود تھے اس میں نہ میرا نہ تمہارا اور نہ کسی دوسرے کی کوشش کا دخل ہے یہ صرف اور صرف اللہ کی مہربانی ہے ۔"

ریسرچ سیل میں جناب ہاشمی صاحب مرحوم کی اسی تواضع کی وجہ سے آج تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحمداللہ ایک برادرانہ ماحول قائم ہے۔ یہاں افسروں اور ماتحتوں والی دوئی اور ایک دوسرے سے دوری نہیں۔ ہم لوگ ان کے ماتحت تھے مگر ایک بار نہیں متعدد بار اپنے ساتھ ملا کر کھانا کھلایا۔ مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی "افسری" دکھائی ہو۔ ماتحت عملے میں نائب قاصدوں تک ہر آدمی یہی سمجھتا تھا کہ ہاشمی صاحب کو اس سے زیادہ پیار ہے۔ دفتری ہی نہیں ہمارے گھریلو معاملات اور مسائل میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ ہماری خوشی غمی کے مواقع پر ہمارے غریب خانوں پر تشریف لاتے تھے۔ ہمارے ایک ساتھی حافظ احمد یار (کلرک) کی شادی بیگم کوٹ کی ایک سنسان سی آبادی میں ہوئی۔ جہاں کی کچی گرد آلود اور کھڈے دار سڑکوں سے گزرنا بھی ایک مسئلہ تھا مگر اس کے باوجود جناب ہاشمی صاحب نے اس میں بھرپور شمولیت فرمائی۔ غرض ہمارے چھوٹے بڑے تمام معاملات میں دامے درمے سخنے تعاون فرماتے۔ ہمدردی اور غمخواری کا زبانی کلامی ہی نہیں عملی مظاہرہ بھی فرماتے۔ ہم میں سے کسی کا بچہ جب کبھی دفتر میں آجاتا تو باپ سے بڑھ کر اس کے ساتھ پیار فرماتے۔ چیزیں لے کر دلواتے۔ نقد پیسے عنایت کرتے۔ ہمارے ریسرچ آفیسر حافظ غلام حسین صاحب کا اکلوتا بیٹا اللہ کو پیارا ہو گیا تو ہاشمی صاحب کو اپنی علالت کے زمانے میں بھی اس کا انتہائی دکھ تھا۔

اسی تواضع اور خاکساری کا نتیجہ تھا کہ بسا اوقات اپنے ماتحت عملے اور کارکنان سے مزاح اور دل لگی بھی فرما لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات فلیٹیز ہوٹل یا الحمراء وغیرہ میں کسی پروگرام کا دعوت نامہ آتا تو اپنے نائب قاصد شوکت خان سے ازراہ دل لگی فرماتے "شوکت! یہ کارڈ لے کر چلے جاؤ اور کوئی پوچھے تو کہنا میں ہی متین ہاشمی ہوں"۔ یہی شوکت خان ذہناً پیپلز پارٹی کی طرف مائل تھا۔ بے نظیر گورنمنٹ آئی تو اس سے فرماتے "شوکت! جا بی بی دے بچے کھڈا"۔ لائبریری کے ساتھی چونکہ خوشی کے مواقع پر ایک دوسرے سے اکثر چائے پیتے رہتے ہیں اسلیے ازراہِ تفنن فرماتے تھے ان کے خون کا گروپ "چائے گروپ" ہے بہرحال بڑی سدابہار طبیعت تھی بوریت پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔

یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ تواضع و انکساری اور دنائت و پستی میں بڑا فرق ہے۔ تواضع کا منشا یہ ہے کہ انسان میں کبر و غرور پیدا نہ ہو۔ اپنے سے کمتر درجے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے ہر ایک انسان کا انسان ہونے کے ناطے احترام کرے اور دناءت ولیتی کا مطلب یہ ہے کہ بعض ذلیل اور گھٹیا اغراض و مفادات کے لیے انسان اپنی خود داری کو کھو دے۔ لالچ میں اپنی عزت نفس اور اپنے مرتبہ و مقام کا بھی خیال نہ رکھے۔ اس حوالے سے جب ہم ہاشمی صاحب کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑے خود دار اور غیور واقع ہوئے تھے۔ ضیاء دور میں نظریاتی کونسل پاکستان کے ممبر بھی رہے کسی میٹنگ میں جنرل صاحب آجاتے تو بعض احباب ان کے ساتھ چمٹے رہتے تھے ان کے آگے پیچھے رہتے تھے، ان کے آگے پیچھے جاتے تھے مگر ہاشمی صاحب نے کبھی ایسا نہیں کیا اور نہ انہیں اپنے ساتھیوں کی یہ ادا پسند آتی تھی۔ حق اور دین کے معاملے میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے تھے بڑوں بڑوں کو ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ نام لینا مناسب نہیں کئی مذاکروں میں ملحد اور بے دین قسم کے "بڑے بڑے" دانشوروں، وکلاء اور ججوں سے ان کی جھڑپ ہوئی۔

خوشامد سے اجتناب

سرکاری ملازمتوں میں عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ ہر چھوٹا بڑا ملازم (اِلّا ماشاء اللہ) افسران بالا کو خوش رکھنے کے لیے ان کی نظر خاص میں آنے کے لیے، ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے اپنی نوکری قائم رکھنے کے لیے، اور ان کے ہاں اپنے نمبر ٹانگنے کے لیے ہر ممکن ذریعہ سے ان کی کاسہ لیسی چاپلوسی اور خوشامد کرتا ہے۔ بعض مفاد پرست لوگ خواہ مخواہ حکومت اور حکمرانوں کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں۔ جسم اور دل و دماغ کی آنکھیں بند کر کے اور ضمیر کو مردہ کر کے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں اور بقول شاعر صورت حال یوں ہوتی ہے کہ:

گر شاہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

مگر ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہاشمی صاحب میں قطعاً یہ بات نہ تھی۔ وہ بلا جواز کسی کی تعریف نہ کرتے تھے۔ بہت کم اپنے افسران بالا کے پاس گئے اور وہ بھی ادارے کی کسی اشد ضرورت یا غیر معمولی مسئلہ کے لیے۔ ہاشمی صاحب کی علمیت زہد و تقویٰ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیانتداری اتنی مسلّمہ تھی کہ افسران بالا ان کے کمرے میں آکر انہیں سلام کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ڈائریکٹر جنرل پبلک لائبریریز کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ لاکھوں روپے کے سرکاری بل ہاشمی صاحب منظوری کے لیے ان کے سامنے پیش کرتے تو وہ آنکھیں بند کرکے دستخط کر دیتے ہاشمی صاحب کے پیش کردہ کسی بھی بل کی انہوں نے تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

حکومت کے عادلانہ، جائز، شرعی اور رفاہِ عامہ کے اقدامات کی پرزور تائید بھی کی لیکن جہاں کہیں حکومت نے کوئی غلط کام کیا اس پر تنقید بھی کھل کر کی۔ اپنی نوکری کی پرواہ کئے بغیر اصل شریعت کی بات ان تک پہنچا کر اپنی طرف سے اتمام حجت کر دیا۔ اب آگے اگر حکومت نے ان کی بات پر توجہ نہیں دی تو یہ دوسری بات ہے۔

اپریل ۱۹۸۶ء کے شمارہ سہ ماہی منہاج میں ہاشمی صاحب مرحوم نے "نفاذِ شریعت بل" کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا ہے۔ اس اداریے میں موجودہ نظام حکومت پر بڑی مؤثر اور ایمان افروز پیرایے میں تنقید فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

"..... یہ امر کتنا تعجب انگیز ہے کہ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہو کہ

کاد الفقران یکون کفرًا۔

(قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچا دے) اور

من کان عندہ فضل ظھر فلیعد بہ علی من لا ظھر لہ

ومن کان عندہ فضل زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ

حتی ظننا انہ لا حق لاحد منا فی الفضل۔

(سنن ابی داؤد: ۱: ۲۳۴ طبع کانپور)

جس کسی کے پاس زائد (از ضرورت) سواری ہو وہ ایسے آدمی کو سواری دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زائد کھانا ہو وہ ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس کھانا نہ ہو۔ (راوی کہتے ہیں) یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا زائد از ضرورت چیز میں ہم میں سے کسی کو کوئی حق نہیں۔

اسکے نام لیواؤں کی مملکت میں ایک غریب کا بچہ دوا کے بغیر مر جاتا ہے اور امیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کتے کے علاج کے لیے اسپیشلسٹ ڈاکٹر بلائے جاتے ہیں۔ فاروق اعظم نے تو فرات کے کنارے مرنے والے کتے کی ذمہ داری قبول کی تھی اور فاروق اعظم کے نام لیواؤں کا حال یہ ہے کہ اپنی کوٹھی کے زیرِ سایہ ایک جھگی میں تڑپنے والی مسلمان روح کو بھی سہارا دینے کو تیار نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام اپنی تمام تر برکات و ثمرات کے ساتھ نافذ کیا جائے تاکہ عوام کو یہ احساس ہو کہ واقعتہً کسی اسلامی فلاحی مملکت میں زندگی گزار رہے ہیں۔"

سہ ماہی منہاج کے "نفاذِ شریعت نمبر" (جنوری اپریل ۱۹۹۱ء) کے اداریے میں حکومت کے نظام تعلیم اور ذرائع ابلاغ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

.... سائنس اور ٹیکنالوجی ضرور حاصل کیجئے مگر ہم صرف اس بات کی التجا کرتے ہیں کہ ہرگز ہرگز بے خدا سائنس اور بے اخلاق ٹیکنالوجی میں گرفتار نہ ہوں۔ اقبالؒ نے بالکل درست کہا ہے ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اس وقت امریکہ دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور ہے لیکن وہاں جا کر دیکھ لیجئے کہ امریکی سوسائٹی کس طرح تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے جہاں ایک گھنٹے میں ڈھائی سو قتل ہوتے ہیں چھ سو ڈاکے پڑتے ہیں چوریوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں اخبارات میں رپورٹ آئی ہے کہ صرف ایک سال میں زنا بالجبر کے آٹھ لاکھ واقعات رونما ہوئے ہیں جن کے مقدمے درج ہوئے ہیں زنا بالرضا تو خیر جرم ہی نہیں۔ کیا آپ یہی چاہتے ہیں کہ یہی صورتِ حال پاکستان میں بھی ہو جائے؟ ہمارے خیال میں کوئی غیرت مند پاکستانی پاکستان میں اس صورتِ حال کو گوارا نہیں کرے گا۔ تعلیمی کمیشن تو انشاء اللہ اپنے فرائض سرانجام دے ہی گا لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ اس بات کو ضرور پیشِ نظر رکھا جائے گا کہ ہمارے کالجوں سے اٹھنے والی نسل اور کچھ ہو یا نہ ہو مسلمان اور صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محب وطن پاکستانی ضرور ہو۔ انگریزی کی جو لعنت ہمارے اوپر سوار ہے اور آزاد ہونے کے باوجود ہم ذہنی غلامی میں گرفتار ہیں اسے دور ہونا چاہیے ہم انگریزی کے مخالف نہیں اس لیے کہ وہ ایک عالمی زبان ہے لیکن ساری عمر اسی میں کھپا دینا اور ساری زندگی انگریزی الفاظ کے ہجے رٹتے رہنا یہ کوئی کمال نہیں، روس، جاپان، جرمنی، پولینڈ، یوگوسلاویہ حتیٰ کہ انڈیا کس ٹیکنالوجی میں ہم سے پیچھے ہیں؟ انہوں نے صرف فنی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے انگریزی کو لازمی قرار دیا ہے اور انہوں نے انگریزی کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے داخلِ درس کیا ہے۔ ہمارے ملک میں تو انگریزی نہ جاننے والے کو تعلیم یافتہ ہی نہیں سمجھا جاتا چاہے کتنا بڑا صاحبِ علم ہو۔ اس وقت تو پاکستان کے گلی گلی اور کوچے کوچے میں انگلش میڈیم اسکول کھلے ہوئے ہیں جہاں پیدا ہوتے ہی انگریزی بولنے اور انگریزی کپڑے پہننے انگریزی بود و باش اختیار کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ جوش نے غلط نہیں کہا ؎

چال انگریزی ڈھال انگریزی جسم کا بال بال انگریزی
جسم ہندی میں جان انگریزی اور منہ میں زبان انگریزی

ایسی نسل سے آپ کیا امید کر سکتے ہیں کہ اسلام کا درد اپنے دل میں رکھے اور اسلامی اخلاق و اطوار سے خود کو مزین کرے۔

ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ آئی جے آئی کی حکومت قائم ہونے کے بعد سے ہمارے ذرائع ابلاغ میں کسی قدر تبدیلی آ رہی ہے لیکن ابھی بھی ذرائع ابلاغ قابلِ اصلاح ہیں بالخصوص الیکٹرانک میڈیا۔ الیکٹرانک میڈیا اس وقت دنیا کا طاقتور ترین میڈیا ہے۔ بالخصوص بصری میڈیا یعنی ٹیلی ویژن اور وڈیو۔ اس پر بہت کڑی نظر رکھنے کی ضرورت تھی۔ لیکن حکومت پاکستان نے سی این این کو سنسر سے آزاد کر کے بہت غلط اقدام کیا ہے پی ٹی این یا سی این این نہایت آزادانہ طور پر فحاشی و عریانی بلا روک ٹوک پھیلا رہے ہیں اور ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے جب تک ان سوراخوں کو بند نہیں کیا جائے گا جن کے راستے بدی داخل ہوتی ہو اس وقت تک روشنی کی کوئی کرن معاشرے میں داخل نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ سی این این اور پی ٹی این دیکھنے کے بعد پی ٹی وی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام کو متاثر کر سکے گا تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے اس لیے جو سنسر بورڈ پی ٹی وی کے پروگراموں کو سنسر کرتا ہے اسی بورڈ کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ سی این این اور پی ٹی وی کے پروگراموں کو بھی سنسر ے اور جو معیار پی ٹی وی کے پروگراموں کا مقرر کیا گیا ہے وہ مذکورہ بالا دونوں پروگراموں کے لیے بھی باقی رکھا جائے۔ ورنہ ساری کوششیں اکارت چلی جائیں گی"۔

معاملات میں صفائی

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ کسی آدمی کی اصلیت اور حقیقت کا پتہ اس کے ساتھ کوئی واسطہ پڑنے یا لین دین اور معاملات کرنے سے ہی چلتا ہے۔ میرے ممدوح مولانا ہاشمی مرحوم لین دین اور معاملات میں حد درجہ محتاط صاف اور کھرے تھے۔ ذاتی لین دین میں اپنا نقصان تو برداشت کر لیتے تھے مگر فریق ثانی کو ہمیشہ نفع پہنچانے کا ہی سوچتے تھے۔ ریسرچ سیل کے مالی معاملات اور روپے پیسے کو انہوں نے کس طرح امانت سمجھا؟ سیل کا پیسہ کتنی دیانتداری سے خرچ کیا؟ اس موضوع پر دیال سنگھ لائبریری اور ریسرچ سیل کے اکاونٹنٹ صاحب کا الگ مضمون آرہا ہے۔ میری معلومات کی حد تک خود تو خود رہے سرکاری پیسے سے کسی دوسرے کو بھی ناجائز طور پر نوازنے کی انہوں نے کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ میں یہاں ذاتی لین دین کی بات کر رہا ہوں۔ علمی حلقے تو ان کے علم و فضل کیوجہ سے انہیں جانتے ہی تھے دوکاندار اور تاجر لوگ بھی ان کے ریڈیو اور ٹی وی پر اکثر آنے کیوجہ سے انہیں جانتے تھے۔ اس وجہ سے بہت سے دوکاندار عقیدت مند تھے مگر انہوں نے کبھی کسی دوکاندار کی عقیدت کو "کیش" کرنے کی کوشش نہ کی۔ بازار کے ریٹ سے اگر زیادہ قیمت نہیں دی تو عام ریٹ ضرور دیا ہے۔ قیمت کے معاملے میں دوکانداروں سے انہیں جھگڑنے کی عادت نہ تھی۔ ہم میں سے کوئی آدمی اگر کبھی سودا سلف لے آتا اور اس سودے میں دو چار روپے اس کی جیب سے خرچ ہو جاتے تو وہ ہزار بار کہتا کہ کوئی حرج نہیں مگر اس کو ضرور ادائیگی کرتے۔ ڈرائیور یا چھوٹے ملازمین کے پاس سودا سلف میں سے دس بیس روپے بچ جاتے تو عموماً واپس نہیں لیتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حساب کتاب کی باریکیوں اور زیادہ چھان بین میں نہ پڑتے تھے۔ مزدور کو اس کی محنت سے زیادہ اجرت دینے کو پسند کرتے تھے۔ اگر ڈاکٹر بی۔ پی وغیرہ چیک کرنے کے لیے آیا یا کبھی حجام ناخن اُتارنے کے لیے آیا تو معقول معاوضہ دیے بغیر نہیں جانے دیتے تھے۔ وہ نہ لینے کی پرخلوص خواہش کا اظہار کرتا مگر اصرار کرکے اسے دیتے۔ ریڈیو۔ ٹی وی سے کوئی آدمی چیک لے آتا تو اسے خالی ہاتھ واپس نہ جانے دیتے۔ اپنے ماتحت عملے سے کبھی ذاتی "بیگار" نہ لی۔ اگر کسی سے کوئی ذاتی کام کرایا تو اسے معقول معاوضہ دیا۔ دفتر ٹائم کے بعد اگر ہم کبھی ان کے پاس کسی کام کے لیے بیٹھ گئے تو اس "اوور ٹائم" کا صلہ "چائے" کی صورت میں ضرور ملتا تھا۔ راقم الحروف نے ان کی ایک تالیف میں حوالہ جات اور پروف ریڈنگ وغیرہ میں تھوڑا سا ہاتھ بٹایا تو کتاب چھپنے کے بعد مجھے پانچ صد روپے عنایت فرمائے۔ مرض الوفات میں ریسرچ سیل کے ایک نائب قاصد شان محمد نے کچھ عرصہ انکی خدمت کی تو دو ہزار روپے (۲۰۰۰) نقد بطور صلہ دیے۔ الغرض انہوں نے کبھی کسی کا دانستہ حق مارنے یا حق رکھنے کی غلطی کا ارتکاب نہ کیا۔

عفو و درگزر اللہ کریم نے سورۂ آل عمران میں مؤمنین متقین کا ایک وصف وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (اور درگزر کرنیوالے ہوتے ہیں لوگوں سے) بھی بتایا ہے۔ یہ وصف اور خوبی بھی جناب ہاشمی صاحب میں قابل رشک حد تک موجود تھی۔ وہ درویش منش اور بے ضرر قسم کے آدمی تھے۔ کسی کے ساتھ کوئی بغض کوئی کینہ کوئی حسد کوئی عداوت نہیں رکھتے تھے۔ حتی المقدور ہر ایک کے ساتھ مخلصانہ رویہ رکھتے تھے۔ مگر اس کے باوجود اس مطلبی دنیا میں بعض لوگوں کے رویے اور برتاؤ سے ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی تو برا منانا یا ناراض ہوجانا ان کی طبعی مجبوری تھی۔ فرماتے تھے یہ میری طبعی مجبوری ہے کہ میرے باپ کا قاتل بھی اگر مجھ سے معافی مانگے تو ضرور معاف کر دوں گا۔

ایک صاحب (نام لینا مناسب نہیں) نے ایک مرتبہ ہاشمی صاحب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور روز افزوں عزت و شہرت سے خواہ مخواہ چڑ کھا کر اپنے اثر و رسوخ اور منفی ہتھکنڈوں سے لائبریری سے ریسرچ سیل کا شعبہ ہی ختم کروا دیا۔ جس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخبارات میں دہائی مچ گئی۔ اہل علم وقلم کے پرزور مطالبے پر حکومت نے دوبارہ ریسنچ سیل کو اس کے سابقہ سٹاف سمیت بحال کر دیا۔ علاوہ ازیں بھی ان صاحب نے بہت سے مواقع پر ہاشمی صاحب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن "عدو باشد سبب خیر گر خدا خواہد" کے مصداق اللہ نے ہاشمی صاحب کی قدر و منزلت میں اضافہ ہی فرمایا نہ کہ کمی۔ ان صاحب کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا اور معافی کے طلب گار ہوئے تو ہاشمی صاحب نے انہیں دل سے معاف فرما دیا۔ بعد میں کئی پیچیدہ مالی مسائل میں ہاشمی صاحب کی سفارش اور سعی سے ہی بچ سکے ورنہ پھنس کے رہ جاتے۔

اسی طرح اور بھی کئی ایک مثالیں ہیں۔ بڑی سے بڑی اذیت پہنچانے والے نے بھی جب معذرت کر لی تو ہمیشہ اس کی معذرت کو قبول کیا۔ پھر ناراضگی کو یوں ختم کیا گویا کبھی تھی ہی نہیں۔ سٹاف میں بھی کبھی کسی پر کسی وجہ سے بتقاضائے بشریت ناراض ہو گئے تو یہ ناراضگی دیرپا نہیں ہوتی تھی۔ کسی چھوٹے سے چھوٹے ملازم کو اپنی "افسری" کا رعب دکھانے کے لیے کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ ہمیشہ ملازمین کو فائدہ پہنچایا۔

دلجوئی کسی پریشان حال مصیبت زدہ اور دکھی انسان کی اپنے تئیں امداد، ہمدردی غمخواری خیر خواہی کر کے اس کے دل کو راحت اور سکون پہنچانا آدمی کی بہت بڑی خوبی ہوتی ہے۔ یہی اصل آدمیت اور انسان کی پیدائش کی غرض و غایت ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

دلوں کو خوش کرنا بہت بڑی عبادت ہے اسی لیے صوفیاء نے کہا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
باحسانے آسودہ کردن دلے
بہ از الف رکعت بہر منزلے

جناب ہاشمی صاحب مرحوم میں یہ وصف بھی نمایاں حد تک پایا جاتا تھا۔ بہت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی اپنی گنجائش سے بڑھ کر امداد کرتے تھے۔ بنگلہ دیش اور انڈیا میں اپنے جاننے والے ضرورت مند لواحقین کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے بیوہ عورتوں یتیموں غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ خود مالی تعاون کرنے کے علاوہ اہل ثروت کو بھی ترغیب دیتے تھے۔ گورنمنٹ کے زکوٰۃ فنڈ سے متعدد لوگوں کی امداد کروائی۔

مصیبت زدہ لوگوں کا مالی علاج کرنے اور کروانے کے علاوہ خالصتہً لوجہ اللہ "روحانی علاج" بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس میں عام عاملوں کی طرح کوئی دنیوی لالچ نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ خود عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب عمل و تقویٰ بھی تھے اس لیے اللہ کریم نے زبان میں برکت اور تاثیر رکھی ہوئی تھی۔ ان گنت سحر زدہ، آسیب زدہ اور مختلف بیماریوں میں مبتلا لوگوں کو اللہ کریم نے ہاشمی صاحب کی دعا اور دم تعویذ سے شفا بخشی۔ اکثر خواتین دفتر میں بھی آجاتیں۔ ہم نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ ان لوگوں کے واسطے کوئی الگ ٹائم مقرر کرلیں۔ فرماتے "پتہ نہیں بیچارے کہاں کہاں سے اور کس طرح یہاں پہنچتے ہیں۔ کتنے دکھوں کے مارے ہوئے ہیں میرا کیا جاتا ہے صرف دم تعویذ کر دیتا ہوں اور یہ بیچارے خوش ہو جاتے ہیں۔"

یہ ۲۹ جنوری ۱۹۸۵ء کی بات ہے۔ میں منہاج کے حیثیت نسواں نمبر کی پروف ریڈنگ کے سلسلے میں ہاشمی صاحب کے پاس بیٹھا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی ہاشمی صاحب نے ریسیور اٹھایا اور ایک دو منٹ تک کسی خاتون سے گفتگو فرماتے رہے۔ ریسیور رکھتے ہوئے مجھے بتایا کہ یہ ان (ہاشمی صاحب) کے ایک دوست ظہور احمد کی ہمشیرہ ہیں جو سات بھائیوں کی ایک ہی بہن ہے جس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ کافی دنوں سے دعا تعویذ کر رہی تھی اب اسے امید لگی ہے تو حفاظت حمل کا تعویذ مانگی ہے۔ اس سے بات اس طرف چل نکلی کہ کلام الٰہی میں عجیب تاثیر ہے۔ فرمایا ہم جو کچھ تعویذات میں لکھتے ہیں اس میں ہمارا کیا کمال ہے دراصل فائدہ پہنچانے والی اور کام کرنے والی تو وہی ذات باری تعالیٰ ہے۔ اسی کی مناسبت سے مولانا تھانویؒ کے حوالے سے میاں احمد جام رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ایک عورت اپنا بچہ ان کی خدمت میں لائی اور ان سے عرض کیا کہ یہ نابینا ہے اس کے لیے دعا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمائیے کہ بینا ہو جائے انہوں نے پوچھا کہ بیماری سے نابینا ہوا ہے یا پیدائشی نابینا ہے عورت نے بتایا کہ پیدائشی نابینا ہے تو وہ بگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ نکل جاؤ میں کوئی عیسیٰ ہوں بیچاری چل پڑی اسی وقت الہام ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام جو دم سے مریضوں کو ٹھیک کر دیتے تھے تو کیا وہ اپنی ہمت اور کمال سے کر لیتے تھے؟ وہ سب کچھ "ہامی کنیم" (ہم خود ہی کیا کرتے ہیں) تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام تو ایک واسطہ تھے۔ میاں احمد جامؒ اسی وقت ہامی کنیم ہامی کنیم کہتے ہوئے اس عورت کے پیچھے دوڑے اور بچے کو دم کیا۔ بچہ اللہ کی مہربانی سے بینا ہو گیا۔

پھر ہاشمی صاحب نے ایک اپنا آزمودہ واقعہ سنایا فرمانے لگے کہ "مشرقی پاکستان میں قیام کے دوران ایک مرتبہ ایک عورت ہمارے گھر آئی۔ کافی دیر باہر برآمدے میں بیٹھی رہی مجھے کسی نے بتایا کہ باہر کوئی خاتون بیٹھی ہے۔ میں آیا تو وہ کہنے لگی یہ میری بچی ہے اسے ڈھاکہ ہسپتال میں دکھایا تھا مگر ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ اس کی آنکھ کی ایک رگ سوکھ گئی ہے اور سات سال کے بعد اس کا اپریشن ہو سکے گا۔ ابھی اس کی آنکھ ٹھیک نہیں ہو سکتی آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں کوئی دعا تعویذ کر دیں میں نے کہا جس کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے میں اس کے لیے کیا دم کروں گا؟ میرے پاس کوئی دم نہیں۔ اسی دوران ہماری بیوی آ گئیں وہ کہنے لگیں عجیب آدمی ہو تم۔ جو کچھ سمجھ میں آتا ہے لسے لکھ کر دے دو میں نے ایک کاغذ اٹھایا اور اس پر لکھا نظر نظری بک یا رسول اللہ وقرۃ عینی بک یا حبیب اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔

پھر اسے کسی برتن کی کالک اس تعویذ پر لگا کر سرمہ کے طور پر استعمال کرنے کو کہا (صحیح طریقہ استعمال راقم الحروف کو یاد نہیں رہا)۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت تھی کہ کچھ دنوں کے بعد اس لڑکی کی آنکھ بالکل ٹھیک ہو گئی۔

غرض اس طرح کے اور کئی ایک مریضوں کی صحت یابی میں اللہ کریم نے جناب ہاشمی صاحب مرحوم کو وسیلہ بنایا یہ ایک مستقل موضوع ہے ہاشمی صاحب کے عملیات اور وظائف اور دم تعویذ اور ان سے پہنچنے والے عام فیض کو اکٹھا کیا جائے تو یہ ایک اچھی خاصی تالیف بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتی ہے ۔

فرقہ واریت سے بیزاری

ایک خاص مکتبہ فکر کے ادارے سے فارغ التحصیل ہونے کے باوجود ہاشمی صاحب مرحوم ہمیشہ فرقہ وارانہ تعصبات اور اختلافات سے کوسوں دور رہے ۔ ان کی تقریر اور تحریر نے کبھی باہمی نفرت تعصب دوری اور عناد کے بیج نہیں بوئے ۔ مختلف مسالک کے لوگوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرتے رہے ہے ۔ ہر مکتبہ فکر کے ساتھ تعاون کرتے رہے ۔ دیوبندیوں ، بریلویوں ، اہل حدیثوں میں سے جس نے بھی کسی دینی و علمی کام کے لیے کسی مشورے کے لیے کسی جلسے اور پروگرام کے لیے دعوت دی ہر ایک کے پاس خلوصِ دل کے ساتھ چلے گئے اور ان کے پروگراموں میں بھرپور شرکت کی ۔ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور) میں قاضی کلاس کو لیکچر دیتے رہے مولانا عبدالرحمٰن مدنی (ماڈل ٹاؤن لاہور) میں کلاس لیتے رہے ۔ ادارہ منہاج القرآن کی ابتدائی نصاب کمیٹی میں شامل رہے ۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے محاضراتِ قرآنی میں گئے ، جماعتِ اسلامی کے کئی پروگراموں میں شرکت کی ، ربیع الاوّل میں میلاد اور سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر جماعت کے جلسہ میں تشریف لے گئے غرض جس نے بھی دعوت دی اگر طبیعت ٹھیک ہوتی تھی تو کبھی انکار نہیں کرتے تھے ۔ علماء کی ناچاقی اور نااتفاقی سے انہیں انتہائی کوفت ہوتی تھی ۔ اس پر بڑا کڑھتے تھے ۔

منہاج کے اجراء کا ایک مقصد مختلف مسالک کے لوگوں بالخصوص علماء کو ایک دوسرے کے قریب لانا اور ہر ایک کا نقطہ نظر معلوم کرنے کا پلیٹ فارم مہیا کرنا بھی تھا ۔ منہاج کے اولین شمارہ " اجتہاد نمبر " (جنوری ۱۹۸۳ء) کے اداریے میں لکھتے ہیں :

> "..... امت مسلمہ من حیث المجموع آج جس بحران سے دوچار ہے اس کا تقاضا ہے کہ امت کے مابین نزاع و تصادم کے تمام دواعی و مظاہر سے صرف نظر کر کے صرف ان امور پر زور دیا جائے جو جملہ مسالک میں مشترک ہیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسے " الجمع بین المختلفات " کے اصول سے تعبیر کیا ہے ۔ " منہاج " بنیادی طور پر اسی جادۂ اعتدال کی نشاندھی کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو ہمیشہ سے علماء امت کے درمیان متفق علیہ راہ سلامتی رہا ہے۔
اس رسالے کی پالیسی " تصادم بین المسالک " کی بجائے قومی ملی اور دینی جہات میں " تعاون بین المسالک " ہوگی ..... ہماری کوشش یہ ہوگی کہ کم از کم قلم و قرطاس کی دنیا میں قرآن و سنت کے دائرے کے اندر " تصادم بین الفرق " کی بجائے قومی ملی اور دینی جہات میں " تعاون بین المسالک " کی اعتماد بخش فضا کے لیے راہ ہموار کی جائے تاکہ ہر مکتب و مسلک اور فرقہ کے اصحاب علم کے رشحاتِ فکر پر غور و خوض کا نتیجہ خیز طریق عام ہو کہ یہی ہمارے مایہ ناز اسلاف کا اسلوب تھا "

۱۹۸۴ء میں بادشاہی مسجد لاہور میں نعرۂ رسالت پر ایک بڑا ہنگامہ کھڑا ہوا دو مکاتب فکر کے درمیان خاصی سرپھٹول تو تو میں میں اور اخبارات میں بیان بازی ہوئی۔ فریقین نے اپنی اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے بڑے بڑے اجتماع اور جلسے کیے جس سے دشمنانِ اسلام کو دین کے ساتھ مذاق کا موقع ملا۔ اس موقعہ پر ہاشمی صاحب مرحوم نے سہ ماہی منہاج پرچہ اپریل ۱۹۸۴ء میں ایک بڑا دردانگیز اداریہ لکھا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہاشمی صاحب مرحوم فرقہ واریت کو امتِ مسلمہ کے لیے کس طرح سمِ قاتل اور نقصان دہ سمجھتے تھے اور وہ اس پر کتنا کڑھتے تھے یہ اقتباس ہے تو تھوڑا سا طویل مگر چونکہ بڑا دردبھرا ہے اس لیے سارا دے رہا ہوں شاید کسی فرقہ پرست اور تعصب پسند آدمی کی ہدایت کا موجب بن جائے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

" افکار، خیالات، عقائد، زبان، رنگ، نسل، طرزِ لباس اور طرزِ اظہار، اختلاف کہاں نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم میں تو اختلاف کو آیات اللہ میں شمار کیا گیا ہے۔

وَمِنْ اٰیَاتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ لِّلْعَالِمِیْنَ۔ (الروم : ۲۲)

ترجمہ : اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا بنانا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہوتا ہے۔ بیشک اس میں بھی علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم ہوا کہ اختلاف ہونا ایک فطری امر ہے۔ اگر دو انسانوں کی صورتیں بدن کے نقش و نگار اور انگوٹھے کے نشانات یکساں نہیں ہو سکتے تو پھر دو آدمیوں کے نظریات یکساں کیسے ہو سکتے ہیں چنانچہ اختلاف شرائع میں ہوا ہے، منہاج میں ہوا ہے۔ فلسفیوں اور سائنسدانوں کے نظریات میں ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اسی اختلاف کی بدولت تمدن ارتقاء پذیر ہوتا ہے اور نت نئی ایجادات و جدید خیالات و نظریات پیدا ہوتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اختلاف امتی رحمۃ

(میری امت کا اختلاف رحمت ہے)

ایسے بہت سارے مسائل آپ کو ملیں گے جن کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اختلاف تھا مثلاً سماع موتیٰ کا مسئلہ، معراج جسمانی و منامی کا مسئلہ، رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح فقہاء اور محدثین کے درمیان ہزاروں مسائل میں اختلاف ہوا ہے خود امام ابو حنیفہؒ کی رائے کچھ اور ہوتی ہے اور ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے کچھ اور۔ امام ابو حنیفہؒ قرأت خلف الامام کے مخالف ہیں امام شافعیؒ اسے ضروری قرار دیتے ہیں۔ محدثین میں سے بعض محدث کسی روایت کو لائق ترجیح قرار دیتے ہیں اور بعض اسے رد کر دیتے ہیں۔

صوفیہ کے طرق اور سلاسل کا جائزہ لیں تو آپ کو وہاں بھی اختلاف نظر آئے گا۔ قادری اور چشتی اکابر ذکر جہری کے قائل ہیں جبکہ نقشبندی مشائخ ذکر خفی کی تاکید فرماتے ہیں:

ان اختلافات کی حیثیت وہی ہے کہ:

؎ عبارا تنا شتی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

یعنی صداقت ایک ہی ہوتی ہے البتہ اختلاف تعبیرات میں ہوتا ہے مختصر یہ کہ اختلاف کا ہونا فطری بھی ہے اور باعث رحمت بھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اگر یہ نظریاتی اختلاف ذاتی مخاصمت اور عناد کی شکل اختیار کرے ۔

یا

علمی ونظریاتی اختلاف خواص کی سطح سے اتر کر عوام میں آجائے اور دقیق کلامی وعلمی مسائل کے بارے میں عوام الناس کے مجمع میں جدل ومناظرہ ہونے لگے ۔

یا

مسلکی وعلمی اختلاف مفادات کے حصول کا ذریعہ بن جائے تو یہی اختلاف مخاصمت اور عناد کی شکل اختیار کر کے قوموں کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے مختلف مسائل میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہونے کے باوجود جب امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر تشریف لے گئے اور امام شافعیؒ کو اپنے بہت سارے شاگردوں کے ہمراہ امام ابوحنیفہ کے مزار کے احاطے میں نماز پڑھنا پڑی تو امام صاحب نے رفع یدین کیا نہ قنوت نازلہ پڑھی اس پر ان کے شاگردوں نے دریافت کیا کہ " امام! کیا آپ نے اپنے مسلک سے رجوع کر لیا ہے "؟ امام شافعیؒ کا جواب تھا :

" نہیں! میں اپنے مسلک پر قائم ہوں البتہ میں نے صاحب مزار (امام ابوحنیفہؒ) سے شرم کی ہے کہ ان کے قریب کھڑے ہو کر ان کے مسلک کے خلاف عمل کیسے کروں "!

ایک طرف یہ بے نفسی اور عالی ظرفی ملاحظہ فرمائیے اور دوسری طرف یہ بھی دیکھئے کہ یہی حنفی وشافعیؒ اختلاف جب اہل علم کی سطح سے اتر کر عوام میں آگیا ۔ اور مسلکی اختلاف نے گروہی مفادات ور فرقہ پرستی کا روپ اختیار کر لیا تو پھر وہ آفت آئی کہ توبہ بھلی ۔

" تاتاری فوج بغداد کے دروازے پر کھڑی تھی اور شہر میں شافعیؒ حنفیوں کے اور حنفی شافعیوں کے محلے جلا رہے تھے ۔ اور شہر کی شاہراہوں پر شیعوں اور سُنّیوں کے درمیان مناظرے کا بازار گرم تھا ۔ پھر تاتاری شہر بغداد میں داخل ہو گئے ۔ چالیس دنوں میں سولہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے ۔ لاکھوں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوئیں مسجدیں تاراج اور خانقاہیں مسمار کر دی گئیں ۔ حنفی و شافعی سنی و شیعہ اکابر کے سر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلم کر کے شہر پناہ کے دروازے پر لٹکا دیے گئے۔ اس لیے کہ الکفر ملۃ واحدۃ کفر جب بھی آئے گا اسے تو جدھر جدھر سے اسلام کی خوشبو ملے گی۔ اس اس جگہ کو تاراج کرے گا۔ یہی حال سمرقند و بخارا ترکستان و تاجکستان کا ہوا کہ شہر پناہ کی دیواروں تلے کمیونسٹ افواج کھڑی تھیں اور شہر میں اس مسئلہ پر مناظرے ہو رہے تھے کہ کوّا کھانا حلال ہے یا حرام، مونچھوں میں سے پکے ہوئے بالوں کو چننا جائز ہے یا ناجائز؟ پھر جو کچھ ہوا۔ وہ سب کو معلوم ہے۔ آج وہی مسجدیں جنمیں اس قسم کے مناظرے ہوتے تھے کلب گھر اور ڈانس گھر بن چکی ہیں۔

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامان باغبان وکف گلفروش ہے
لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
سو بار ترا دیکھ کے عفو اور ترحم
ہر باغی و سرکش کا سر آخر کو جھکا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کے مقابلے میں حالی ہی کی تیار کردہ ایک تصویر آپ کے موجودہ نائبین کی بھی دیکھتے چلیے۔

؎
بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی
جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی
گنہ گار بندوں کی تحقیر کرنی
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر اعتراض اس کی نکلا زبان سے
تو آنا سلامت، ہے دشوار واں سے
کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے
کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اس کو بتاتے
کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے
ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خلق رسولؐ امیں کے

فرقہ پرستی کے باعث علما جس طرح آج ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں شاید آج سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ اب تو یہ وبا بادشاہی مسجد لاہور سے نکل کر یورپ میں بھی پہنچ گئی ہے اخبارات کی خبر ہے کہ لندن کی ایک مسجد میں دوران نماز ایک فرقے کے مصلیوں پر دوسرے فرقے کے لوگوں نے حملہ کر دیا آخر کار حکومت نے مسجد پر تالا ڈال دیا، ادھر چند سالوں سے یورپ میں اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا تھا اور یورپ کی جدید نسل ہر طرف سے مایوس ہو کر اسلام کی آغوش میں پناہ لے رہی تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ ان علمائے سوء کی فتنہ سامانیوں کے باعث (خدانخواستہ) مغرب میں بھی اشاعت اسلام متاثر ہو گی۔

اس سلسلے میں ملت کے ضمیر کو بیدار ہونا چاہیے۔ پاکستان مسلمانان برصغیر کی واحد اور آخری پناہ گاہ ہے۔ اس کے بعد ساحل سمندر کے سوا کچھ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس ملک کے اتحاد اور سالمیت کو کسی "مولوی" کی ہوس امامت پر قربان کر دیا جائے کہ وہ مسجد کے تقدس کو پامال کرے، مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون بہے اور اس طرح اندرون ملک و بیرون ملک دین اسلام کی بے حرمتی ہو؟

اس محاذ آرائی اور فرقہ بندی کی وسیسہ کاری کو روکنا کسی ایک فرد یا محض حکومت کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے تو پوری قوم کو جذبۂ اخوت سے سرشار ہو کر اٹھ کھڑے ہونا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا تب جا کر اس فتنے کا انسداد ہو سکے گا۔ ورنہ یاد رکھیئے کہ یہ شعلہ جوالہ ہمارے دینی حمیت واخوت اور ملکی اتحاد و سالمیت کے خرمن کو خاکستر کر سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

محبت نبویؐ

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ذات گرامی سے ساتھ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت و عقیدت رکھنا ایمان کا جزو ہی نہیں کمالِ ایمان کا مدار ہے۔ ہر مؤمن آنجناب علیہ السلام کے ساتھ لازماً ایک عقیدت مندانہ تعلق رکھتا ہے اور اس تعلق کے بغیر وہ اپنے آپ کو مؤمن کہلانے کا حقدار نہیں تاہم قولاً عملاً اور قلباً اس خصوصی تعلق میں لوگوں کے درمیان تفاوت اور درجہ بندی کا پایا جانا ایک فطری چیز ہے۔ جناب ہاشمی صاحب مرحوم کو بھی اپنے جدامجد پاک پیغمبرؐ کی ذات ستودہ صفات اور آپ کی سیرت طیبہ سے ایک والہانہ لگاؤ تھا۔ سیرت طیبہ ان کا من بھاتا اور پسندیدہ موضوع تھا۔ حضورؐ کے فضائل و مناقب اور سیرت و اخلاق بیان کرتے ہوئے اکثر ان پر وجد اور رقت کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ حضورؐ کی آپ کی ازواج مطہرات کی اور اہل بیت اطہار کی غریبانہ درویشانہ اور فقیرانہ معیشت کو بیان کرتے ہوئے عموماً ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو جاتے۔

ہاشمی صاحب کی یہ منت تھی اور کئی مرتبہ اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ اگر زندگی نے وفا کی تو حضورؐ کی سیرت پر ایک کتاب لکھوں گا۔ اس کا انداز "ندویوں والا" نرا خشک نہیں ہوگا۔ انشاءاللہ ایسے محبت بھرے درد بھرے اور عشق بھرے پیرایہ میں لکھوں گا کہ قاری پڑھتا جائے گا اور روتا جائے گا۔ مرض الوفات میں ہسپتال کے اندر اپنی منت پورے کرنے کے لیے یہ سلسلہ شروع بھی کرایا۔ انتہائی لاغری کے باوجود دس پندرہ صفحات لکھوائے لیکن بعد میں اتنی نقاہت ہوگئی کہ زبان سے بولا بھی نہیں جاتا تھا اور یوں ان کی یہ حسرت پوری نہ ہوسکی اور ان "رُولا دینے والے" الفاظ خیالات اور انداز بیان کو ساتھ لے کر اللہ کے ہاں پہنچ گئے۔ نبی اور نبوت کی غرض و غایت پر یہ صفحات تھے۔ تاہم حضورؐ کی سیرت طیبہ اور آپ کے فضائل و مناقب پر مشتمل چھوٹی بڑی علیحدہ علیحدہ ان کی تحریریں موجود ہیں۔ ان کی تالیف "تفسیر سورہ یٰس شریف" کے مقدمے میں "رسالت" کے عنوان سے ص۲۷ تا ص۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر ایک جامع بیان ہے، "آخری سورتوں کی تفسیر" میں سورۃ والضحیٰ، سورۃ الم نشرح، سورۃ الکوثر کی ایمان افروز تفسیر ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی تالیف "روشنی" کی جلد اول اور دوم کے ابواب میں بھی ایک ایک باب سیرت طیبہ پر ہے۔

رسوائے زمانہ سلمان رشدی نے "شیطانی آیات" کے نام سے اپنے خرافات کو کتابی شکل دی تو اس وقت ہاشمی صاحب نے سہ ماہی منہاج شمارہ جولائی۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء کے اداریے میں نبی پاکؐ کی حیثیت کے بارے میں چھ صفحات پر مشتمل اپنے مخصوص انداز میں اظہار خیال فرمایا۔ یہ چند تحریریں "مشتے از خروارے" کے طور پر ہاشمی صاحب کے محبت نبوی والے پہلو پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی ہیں ان تحریروں کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس شخص کے اندر حضورؐ کی محبت کا دریا کس طرح موجزن تھا وہ شجر اسلام کو کس طرح پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے اور حضور کی اطاعت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے کس شد و مد سے خواہاں تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

"موجودہ دور میں خصوصاً برصغیر کے اندر جذبۂ عشق نبوی ہی ہے جو ہمیں قائم رکھے ہوئے ہے اور یہ جذبہ صرف مولوی لوگوں میں نہیں بلکہ عوام بھی اس جذبہ سے سرشار ہیں ورنہ ہمارے اعمال اس قسم کے ہیں کہ ہم بندر و خنزیر بنا دیے جائیں۔"

پھر فرمانے لگے: برصغیر میں عشق نبوی کے زیادہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ علاقہ تشبیہی مذاہب کا صدیوں سے قائل رہا ہے۔ کوئی مورتی بت وغیرہ سامنے نہ ہو تو اس کے جذبات میں ہیجان پیدا نہیں ہوتا۔ برخلاف حجاز و عراق اور مڈل ایسٹ کے کہ وہ تنزیہی مذاہب کے علاقے ہیں۔ حنیفیت کا وہاں صدیوں دور دورہ رہا۔ چنانچہ وہاں صرف توحید کی بات کریں تو وہ قابل قبول ہے برخلاف برصغیر کے۔ یہاں کا مزاج کچھ اور ہے۔ اب مورتیوں اور بتوں کو تو پوجا نہیں جا سکتا لہٰذا توحید تک پہنچنے کے لیے بزرگان دین نے "تصور شیخ اور تصور رسول" کا تصور دیا۔ جب رسول تک رسائی ہوئی تو توحید بس ایک قدم ہے۔ اس طریقہ سے جذبات کو گرمائیے اور جو چاہیے ان لوگوں سے کرا لیجیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر فرمایا کہ مسلک اہل حدیث جو زیادہ تر کامیاب نہیں اُس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ وہ صرف توحید ہی توحید کی بات کرتے ہیں رسالت کا نام تک نہیں لیتے۔ یہ طریق کار اہل حجاز کے لیے تو موزوں ہے مگر یہاں کے لوگوں کے لیے نہیں۔"

اتفاق سے راقم الحروف کی رہائش بھی اسی طرف ہے جس طرف جناب ہاشمی صاحب کی تھی۔ اس لیے دفتر سے واپسی پر اکثر ساتھ جانے کا موقعہ مل جاتا تھا۔ ایک دن راستے میں فرمانے لگے : یہ شعر مجھے بڑا پسند ہے اور پھر جھوم جھوم کر درج ذیل شعر کہنے لگے ؎

ہمیں تو مست کیا کالی کملی والے نے
عرب کے چاند مدینے کے رہنے والے نے

ایک تقریر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ نقاش ازل نے وہ قلم ہی توڑ دیا جس سے اپنے محبوبؐ کی تصویر کشی فرمائی تھی پھر یہ شعر پڑھا۔

تیرے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارضِ منوّر پر

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اکثر یہ شعر بڑے جذب و شوق کے انداز میں پڑھا کرتے۔

عمر سوئے نبی گئے، نظر سوئے عمر گئی
پڑی نگاہِ مصطفےٰ تو زندگی سنور گئی

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو قعر پستی سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیا تھا۔ عرب اور ساری دنیا کے غریب لوگوں کو مکہ کے قریشیوں اور رؤسا مکہ کے برابر کھڑا کر دیا تھا۔ انسانی مساوات اور اخوت و محبت کا جو مظاہرہ فلک کی آنکھ نے دورِ نبوی میں دیکھا تھا وہ آج تک نہ دیکھ سکی۔ اس چیز کو بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ ہاشمی صاحب نے بڑے وجد آفریں انداز میں فرمایا :

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نگاہِ مصطفےٰ نے بلالِ حبشی کو
اُٹھا کے قعرِ مذلت سے سرفراز کیا
عرب کے خاک نشینوں کو سلطنت بخشی
خدا گواہ ممولے کو شہباز کیا

فرماتے تھے جائے کی پتی و دو منٹ کی صحبت میں پانی کے رنگ ذائقہ بُو اور حکم کو تبدیل کر دیتی ہے اسی طرح نبی پاکؐ کی صحبت نے بھی مکہ کے بدوؤں اور حجاز کے اجڈوں میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ یہ آپ کی صحبت ہی کا فیض تھا کہ اونٹوں کے چرواہے امتوں اور ملتوں کے چرانے والے بن گئے۔ جاہل اور امی لوگ قوموں کے معلم بن گئے۔ شراب خانوں میں راتیں بسر کرنے والے شب زندہ دار بن گئے۔ ان کی شکلیں لباس سوچ افکار اور مزاج سب کچھ تبدیل ہو گیا اور اللہ کے رنگ میں رنگا گیا۔

حضور پاکؐ کے بارے میں جناب ہاشمی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی خالق اور مخلوق کے درمیان "برزخِ کبرایٰ" ہے۔ لوگوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ حضورؐ کے واسطہ سے ہی ملتا ہے۔ پھر ایک شعر پڑھا کرتے تھے ؎

صدیق بنا فاروق ہوا یہ کانِ حیا وہ شیرِ خُدا
رُتبہ جو کسی مؤمن کو ملا پر تو ہے نورِ محمدؐ کا

فرماتے تھے حضور پاک کی ذات گرامی ہے ایک قیمتی ہیرے کی مانند ہے جس کے ساتھ لگ کر چاندی کا معمولی ٹکڑا اتنا قیمتی بن جاتا ہے کہ ہفت اقلیم کی بادشاہیاں بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ یہ امت جو "خیر الامم" بنی ہے اور جس میں شمولیت کی حضرت موسیٰ علیہ السّلام جیسے اولوالعزم پیغمبر نے بھی تمنا کی یہ محض اس وجہ سے ہے کہ اس امت کی نسبت حضور کے ساتھ ہے۔ ورنہ ہمارے اعمال تو اس لائق ہیں کہ زمین میں دھنسا دیے جائیں۔

اہل بیت سے محبت وعقیدت

خاندانی اور خونی و نسبی رشتہ کی وجہ تھی کہ حضورؐ کے اہل بیت کے معاملے میں ہاشمی صاحب بڑے جذباتی واقع ہوئے تھے۔ اہلِ بیت کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہیں تھا۔ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتبہ ایک آدمی نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ کہہ دیا تو انتہائی غصے اور جوش میں آ گئے۔ اس کی "مہمانی" کا بھی خیال نہ رہا فرمایا فوراً میرے کمرے سے نکل جاؤ۔

ایک مرتبہ اسی حوالے سے دفتر میں گفتگو ہوئی تھی۔ خوش قسمتی سے راقم الحروف نے اسی دن اس کو قلمبند کر لیا تھا۔ ذیل میں وہ گفتگو ہدیۂ قارئین ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں اہل بیت کے ساتھ کتنا جذباتی تعلق خاطر تھا۔

(۲۴ جمادی الاولی ۱۴۰۴ھ۔ ۲۷ فروری ۱۹۸۴ء بروز پیر) آج نماز مغرب پڑھ کر لائبریری سے نکلے تو جناب ریاض الحسن صاحب نوری نے ایک صاحب کے حوالہ سے بتایا کہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اگر ان کے بال بچے نہ ہوتے تو میں ان پر خروج کا فتویٰ لگاتا۔ ہاشمی صاحب نے فرمایا ان کا کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بڑا شاندار لکھا ہے۔

ہاشمی صاحب کمرے میں پہنچے تو ناصبیوں کے متعلق بات چل نکلی۔ ہاشمی صاحب فرمانے لگے مجھے ان ناصبیوں سے اتنی نفرت ہے کہ میں ان کی کتابیں پڑھ بھی نہیں سکتا۔ پچھلے دنوں قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایک کتاب "شہید کربلا اور یزید" میں نے دیکھی تو اسے میں نے محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ اس میں عباسی (محمود احمد آف کراچی) کی کتابوں کے بعض جگہ حوالہ جات تھے جن کا تنقیدی جائزہ لیا گیا تھا حالانکہ میں ہمیشہ قاری صاحب کو بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ پھر فرمایا ناصبیوں کے جوابات کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی نہ کسی کو بھیجتا رہے گا۔ پھر فرمایا اہل بیت کو ان کی گستاخیوں کی خبر ہوتی رہتی ہے اور وہ اپنے متعلقین کی اس سلسلہ میں امداد بھی فرماتے رہتے ہیں۔ ساتھ ہی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک واقعہ بھی سنایا۔ وہ یوں کہ آپ کے دور میں کسی آدمی نے سندھی زبان میں حضرت علی المرتضیٰؓ پر کوئی کتاب لکھی جس میں جناب علی المرتضیٰؓ پر اعتراضات کیے گئے تھے۔ شاہ صاحب کو خواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ فلاں کتاب کا جواب لکھو۔ شاہ صاحب نے عرض کیا میں تو سندھی نہیں جانتا کس طرح جواب لکھوں گا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا بس تم قلم پکڑ کر لکھنا شروع کر دو۔ چنانچہ شاہ صاحب نے قلم پکڑا اور اس کتاب کے رد میں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب لکھ دی ۔ نوری صاحب نے اس واقعہ کا حوالہ دریافت کیا تو ہاشمی صاحب نے فرمایا یقینی طور پہ تو ذہن میں نہیں غالباً مسالک السالکین میں ہے ۔

پھر فرمانے لگے جن لوگوں کے دلوں میں اہل بیت کا بغض ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انکے چہروں کو بے رونق بنا دیتا ہے ان کے چہروں پر یبوست ٹپکتی رہتی ہے ۔ پھر فرمایا بریلوی لوگ اس اعتبار سے اچھے ہیں ۔ کہ ان کے دل میں اہل بیت کی محبت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں اکثر کے چہروں پر نورانیت ہوتی ہے ۔ پھر فرمانے لگے یہ ناصبیت صرف پاکستان کے بعض دیوبندیوں میں پائی جاتی ہے ہندوستان میں تو اس کا نام ونشان نہیں ۔ علماء دیوبند تو ان کے رد میں کتابیں لکھتے رہے ہیں پھر فرمایا ہم تمام صحابہ کا احترام کرتے ہیں اور ان کے حق میں کوئی گستاخی نہیں کرتے مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ، حضرت علیؓ سے افضل ہو جائیں اور یزید، امام حسینؓ سے ، ہندہ بنت عتبہ ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے ابوسفیان حضرت حمزہ سید الشہداءؓ سے ۔

ہند بنت عتبہ کے متعلق فرمانے لگے ذرا اندازہ لگائیں اس عورت کے دل میں کتنا بغض ہوگا کہ حضرت حمزہ کے کلیجہ تک کو چبا لیا ناک کان کا ہار بنایا ۔ یہ کام تو بڑے سے بڑا دشمن بھی نہیں کرتا ۔

پھر فرمایا بعض لوگ بنوامیہ اور بنوہاشم کی رشتہ داریاں بتا کر بنوامیہ کے بغض وعداوت پر پردہ ڈالتے ہیں حالانکہ رشتہ داری تو زیادہ دشمن ہوتے ہیں ۔

پھر فرمایا اہل بیت کے سلسلہ میں اتنا مغلوب ہو جاتا ہوں کہ بحث بھی نہیں کر سکتا ۔ اور ایسے آدمی کو برداشت بھی نہیں کر سکتا ۔

نوری صاحب اُٹھ کر چلے گئے تھے میں اکیلا تھا میری طرف مخاطب ہو کر ہاشمی صاحب نے فرمایا : تم مانو یا نہ مانو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج بھی اپنے ماننے والوں پر نظر رکھتے ہیں ۔ فرمایا بعض لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تم ہاشمی اور خاندانی تعصب کی بنا پر ایسی باتیں کرتے ہو حالانکہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ خاندانی تعصب کی بنیاد پر ایسا نہیں کہتا بلکہ تاریخی حقیقت ہے ۔

خاصا وقت ہو گیا تھا ۔ ہاشمی صاحب نے کچھ لکھنا تھا میں نے بھی جانا تھا لہذا اجازت لے کر رخصت ہو گیا "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راقم نے اب تک جناب ہاشمی صاحبؒ کی سیرت و اخلاق کے چند چیدہ چیدہ گوشے بیان کیے ہیں۔ ساری چیزیں یاد بھی نہیں رہتیں حقیقت یہ ہے کہ وہ حسن اخلاق کے ایک پیکر تھے۔ علم کا ایک بحر بیکراں تھے۔ ان کی موت سے ایک دنیا کی علمی موت واقع ہوگئی ہے۔ اس قحط الرجال کے زمانے میں ان جیسا عالم باعمل آدمی شاید ہی ملے ۔

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے
جنکو تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکوگے

آخر میں تہ دل سے دعا ہے کہ اللہ کریم کروٹ کروٹ ان پر اپنی خصوصی رحمتیں نازل فرمائے انہیں یہاں کے گھر سے بہتر اور آرام وہ گھر عنایت فرمائے اور یہاں کے اہل و عیال لواحقین اور دوست احباب سے زیادہ بہتر دوستوں کی سنگت اور معیت نصیب فرمائے۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

© rasailojaraid.com